Date of Publication: 23-09-2013 PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 24-25 Sep. 2013
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

1-7 October 2013 | یکم تا ۷/ اکتوبر ۲۰۱۳ء
Issue: 37, Vol.: 72 | شمارہ نمبر: ۳۷، جلد نمبر: ۷۲

مکالمہ پسند دارا شکوہ

(پہلی قسط)

پروفیسر منیجر پانڈے

ہندی سے ترجمہ: سرورالہدیٰ
شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ
جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی 110025

ہم ایک ایسے وقت میں ایک مکالمہ پسند دانش ور کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں جب تہذیبوں کے تصادم کا ذکر عام ہے۔ سیموئل ہنٹنگٹن کی کتاب 'تہذیبوں کا تصادم' پوری دنیا میں بحث کا موضوع بنی ہوئی ہے، حالاں کہ تہذیبوں کے اس تصادم کے اصول سے کوئی بامعنی بات نکل کر سامنے نہیں آئی۔ سوال یہ ہے کہ تہذیبوں کا تصادم اہم ہے یا تہذیبوں کے درمیان مکالمہ۔ بہت سے لوگ آج کل یہ بیان دے رہے ہیں کہ پوسٹ مارکسزم کا زمانہ آ گیا ہے۔ میں صرف یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ مارکس کی بہت سی باتیں آج سماج اور انسان کی زندگی کو دیکھ کر سچ معلوم ہوتی ہیں۔ مارکس نے کہا تھا کہ حکمرانوں کا نظریہ ہی ہر دور میں بڑا نظریہ ہوا کرتا ہے۔ امریکہ کے مختلف مفکر ایسے ہیں جنھیں مفکر کہنا بھی مفکروں کی توہین کرنا ہے، لیکن آج کی سچائی یہ ہے کہ امریکہ کے بہت سے لوگ صرف اس لیے مفکر مان لیے جاتے ہیں کہ وہ امریکہ کے ہیں اور انھیں امریکی حکومت اور طاقت کی حمایت حاصل ہے۔ وہ نظریے کے نام پر جو کچھ کہتے ہیں اس پر ساری دنیا میں بحث ہونے لگتی ہے۔ دھیان رہے کہ 'تہذیبوں کے تصادم' کا نظریہ امریکی خارجہ پالیسی کا حصہ ہے۔ اتفاقاً تہذیبوں کے تصادم سے متعلق مضمون Foughn Abbairs نام کے رسالے میں چھپا تھا۔ غالباً اسی رسالے میں فوکویاما کا مضمون 'تاریخ کا خاتمہ' بھی چھپا تھا۔ ہمارے سامنے ایک سوال یہ ہے کہ آج کے وقت میں جب تصادم کی للکار تقریباً چیخ کی طرح چاروں طرف سنائی دے رہی ہے، اس وقت مکالمے کی فکر زیادہ ضروری ہے یا تصادم کی۔ دارا شکوہ ایک مکالمہ پسند دانش ور ہے اسی لیے میں ان پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ دارا شکوہ یہ مان کر چلتے تھے کہ مکالمے سے سوچ کا ارتقا ہوتا ہے۔ جو نظریہ مکالمے کے عمل سے پیدا ہوتا ہے وہ مکالمے کا شعور بھی پیدا کرتا ہے اور مزاج بھی۔ دارا شکوہ نے تقریباً تین سیاق (Context) میں مکالمے کے عمل کو فروغ دیا۔ ان کے یہاں سب سے پہلے اسلامی علوم کی روایت سے مکالمہ ہے۔ اسلام کی روایت میں بھی انھوں نے صوفی روایت سے اپنا مکالمہ قائم کیا۔ دوسری سطح پر انھوں نے اپنے مختلف معاصر سنتوں سے مکالمہ جاری رکھا۔ ایسے سنتوں میں ایک طرف ملا شاہ، شیخ محب اللہ الہ آبادی، شاہ دل ربا، شیخ محسن فانی اور سرمد جیسے صوفی سنت تھے تو دوسری طرف ایک کبیر پنتھ سنت بابا لال داس تھے۔ تیسری سطح پر دارا شکوہ نے مختلف مذاہب کے درمیان مکالمے کے اس عمل کو آگے بڑھایا اور اسے مزید مستحکم کیا جو اکبر کے وقت سے چلا آ رہا تھا۔

یہ بات غور طلب ہے کہ ہندستانی سماج کا جو درمیانی دور ہے وہ تہذیبوں کے آپس میں ملنے، ٹکرانے اور اس عمل میں کچھ نیا دیکھنے اور پیش کرنے کا دور ہے۔ آج جسے ہم ہندستانی تہذیب کہتے ہیں اس میں بیشتر ایسا ہے جو مدھیہ کال (عہد وسطی) کے اس تہذیبی عمل کی دین ہے۔ جس میں دوند ہے تو اس دوند میں سے ارتقا بھی ہے۔ اگر ہم ہندستانی سنگیت کے شعبے کی بات کریں تو تان سین کو بھول کر ہندستانی سنگیت پر غور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر تعمیرات کا ذکر کریں تو تاج محل کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ ہندستانی فن مصوری کے ارتقا میں مغل آرٹ کا اہم رول ہے۔ اگر شاعری کی بات کریں تو کبیر داس کے ساتھ تلسی داس کو بھی یاد کرنا ضروری ہوگا، شاید اسی لیے تو اکتاویو پاس نے لکھا ہے: ''عہد وسطی میں ایک نئے ہندستان کا جنم ہو رہا تھا۔'' اس نئے ہندستان کے جنم کے عمل سے وابستہ مختلف مسائل تھے۔ ان میں سے ایک مسئلے کا مرکز دارا شکوہ کو بنایا گیا۔

ہندستانی سماج اور تہذیب کی تاریخ کے سیاق میں اگر ہم عہد وسطی پر غور کریں تو یہ بات سامنے آئے گی کہ یہی دور ہندستان میں بھکتی تحریک کا ہے۔ اس بھکتی تحریک سے ادب، سنگیت اور دوسرے فنون کا فروغ ہوا جو آج ہندستانی سماج کی صورت قائم کرتے ہیں۔ آج ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو ریاضی سے لے کر سائنس تک کو ویدوں میں تلاش کرتے ہیں۔ لیکن تہذیب کا اگر کوئی تعلق عوام سے بھی ہے تو ہندستانی عوام بھکتی تحریک سے بنی ہوئی تہذیب کی مختلف صورتوں سے جڑے ہوئے ہیں اور اس کو وہ تہذیب سمجھتے ہیں۔ عہد وسطی کا زمانہ نظریے کے میدان میں شدت پسندی کے اور انسان دوستی کے باہمی ٹکراؤ کا دور بھی ہے۔ اس ٹکراؤ میں اگر شدت پسندی کی نمائندگی اورنگ زیب کرتے ہیں تو انسان دوستی کے نمائندہ دارا شکوہ ہیں۔ دارا شکوہ نے مختلف مذاہب کے درمیان مکالمے کے عمل کو آگے بڑھانے کے لیے جو مختلف کام کیے ان میں سے ایک بڑا کام ترجمے کا ہے۔ مغل دور میں اکبر کے زمانے میں یہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔ 'آئین اکبری' میں ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان دوری اور غلط فہمی کی ایک وجہ زبانوں کا اختلاف ہے اور دوسری وجہ ان کی انسانی مقاصد سے ناواقفیت بھی ہے۔ تیسری وجہ ہندستانیوں کے بارے میں دوسروں کی لاعلمی ہے تو چوتھی وجہ انسانی سماج و بنیادی شکلوں میں ملوث ہوتا ہے۔ پانچویں وجہ یہ بنیادی نظریہ ہے کہ جو صرف اپنے علم کو مکمل مانتا ہے اور دوسروں کے علم کو اہمیت نہیں دیتا۔ ان سب باتوں کو دھیان میں رکھ کر ہی اکبر کے زمانے میں رامائن، مہابھارت اور اتھروید وغیرہ کے ترجمے کا کام بڑے پیمانے پر ہوا۔ دارا شکوہ نے 52 اپنشدوں کا ترجمہ کرتے ہوئے اس عمل کو آگے بڑھایا جو اکبر کے وقت میں شروع ہوا تھا۔

عہد وسطی کی فکر اور تخلیق کی تاریخ میں زبان کی خاص اہمیت ہے۔ عہد وسطی میں تین طرح کی زبانیں عمل پذیر تھیں۔ ایک طرف...لسانی تہذیب عمل پذیر تھی تو دوسری طرف حکومت کی زبان فارسی، تیسری طرف عوامی زندگی کی مختلف زبانیں اور بولیاں تھیں۔ بھکتی تحریک کی سب سے بڑی خوبی ہے مادری زبانوں میں تخلیقیت کا ظہور اور ارتقا۔ بھکتی تحریک سے لے کر آسام کے شنکر دیو تک اور درمیان کے صوبوں کے سارے بھگت اور صوفی شاعر اپنی اپنی مادری زبانوں کے شاعر ہیں۔ ان سنتوں اور بھگتوں نے خود کو شاستروں اور حکومت کی زبان سے الگ رکھا۔ اس دیس کے جتنے صوفی سنت ہیں سب نے عوامی زبانوں میں شاعری کی ہے۔ اس خصوصیت کو صرف ہندی علاقے کی مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ ہندی علاقے کے صوفی سنتوں میں سے زیادہ تر نے اودھی میں شاعری کی ہے اور باقی نے برج بھاشا میں

بھی۔ یہ شاعر عوامی زبان میں شاعری کرتے تھے جیسے ہی وہ فارسی رسم خط میں لکھتے ہوں۔ جائسی کا پدماوت فارسی رسم خط میں ہے لیکن وہ اودھی زبان میں لکھا گیا ہے۔ ہندی کے شاعروں میں ودیاپتی اپنی مادری زبان میتھلی میں شاعری کررہے تھے تو سورداس اپنی مادری زبان برج بھاشا میں۔ تلسی اور جائسی اودھی کے بڑے شاعر ہیں تو راجستھان کی میرا بائی اپنی مادری زبان راجستھانی میں شاعری کرتی تھیں۔ مادری زبان میں تخلیقیت کے فروغ کا ایک بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے پیمانے پر دلت اور خواتین یہ دونوں طبقے شاعری کی طرف آئے اور اپنے اظہار آزادی کا استعمال کرتے ہوئے اپنی زندگی کے دکھ سکھ، امید ناامیدی اور حقیقت اور آرزوؤں کی سادگی کے ساتھ اظہار کرنے لگے۔ ان دونوں طبقوں کو تو شریعت اور حکومت کی زبان کو جاننے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ بھکتی تحریک کی وجہ سے شاعری کی دنیا میں خواتین اور دلتوں کے آنے سے جو تہذیبی تبدیلی آئی اس کی دیرپا معنویت کو سمجھنا ضروری ہے۔ کئی زبانوں میں تو خواتین کی شاعری سے ہی اس زبان کی ساخت بنی جیسے کشمیری۔ اس کے ساتھ حکومت اور شریعت کی زبان میں کام کرنے والے بہت تھوڑے لوگ ایسے تھے جو ہندستانی سماج کی پیچیدگی کو دھیان میں رکھ کر مختلف نظریوں، عقیدوں اور تہذیبوں کے درمیان مکالمے کے عمل کو جاری رکھنے میں منہمک تھے۔ ایسے ہی ایک شخص تھے دارا شکوہ۔

غور طلب بات یہ ہے کہ دارا شکوہ بنیادی طور پر اور خصوصاً ایک صوفی تھے۔ وہ راجکمار اور ولی عہد سلطنت اتفاقاً تھے۔ انھوں نے اپنی زیادہ تر کتابوں میں خود کو فقیر کہا ہے اور ایک بار نہیں کئی بار۔ دارا شکوہ کی فکر اور علم کی وسعت مختلف لوگوں کی مختلف تحریروں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ انھوں نے ۱۹۳۹ء سے متعلق گرنتھوں کو لکھنا شروع کیا تھا۔ ان کی کتابیں تین چار طرح کی ہیں، ابتدائی کتابوں میں اسلام کی دانشورانہ بنیادوں کی تشریح کی ہے۔ کچھ کتابوں میں صوفی سنتوں کی سوانح ہے اور ان کے اصولوں کی تشریح بھی۔ ان کی کچھ کتابوں میں صوفی فلسفے کا جائزہ ہے۔ ان کی اہم کتابیں 'سفینۃ الاولیا' (۱۹۳۹)، 'سکینۃ الاولیا' (۱۹۴۲)، 'رسالۂ حق نما' (۱۹۴۹)، 'حسنات العارفین' (۱۹۵۳)، 'مجمع البحرین' (۱۹۵۳)، 'سمندر سنگم' (۱۹۵۵): ان کے ساتھ ہی انھوں نے جو سب سے بڑا کام کیا وہ تھا باون اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ، جس کا نام رکھا تھا 'سر اکبر' (۱۹۵۷)۔ اپنشدوں کے ترجمے کے ساتھ ہی دارا شکوہ نے 'گیتا' کا ترجمہ کروایا تھا۔ دارا شکوہ کی کچھ اور کتابیں بتائی جاتی ہیں جن میں سے کچھ شائع ہوئیں، کچھ غیر مطبوعہ ہیں۔ ان میں سے ایک ہے 'صوفیانہ خطوط' جو دارا شکوہ کے ذریعے مختلف صوفی سنتوں کو لکھے گئے خطوں کا مجموعہ ہے۔ ان میں ایک خط سنسکرت میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ وہ جرنل لکھا کرتے تھے۔ ایسے ایک جرنل کا نام ہے 'رسالۂ معارف'۔ اس میں ان کی ایک کتاب انگریزی میں چھپ کر آئی ہے۔ فن زراعت سے متعلق یہ کتاب بنیادی طور پر فارسی میں ہی لکھی گئی تھی۔

عربی فارسی میں کتابت کی بڑی اہمیت ہے۔ خود دارا شکوہ نے اس کا تجربہ حاصل کیا تھا۔ انھوں نے خود کئی کتابوں کی کتابت کی تھی، جن میں خاص ہیں 'حکمت ارسطو'، 'مثنوی سلطان' وغیرہ۔ انھوں نے قرآن مجید کی پانچ سورہ بھی لکھی تھی جو ادھوری ہے۔

مغل خاندان میں یہ روایت تھی کہ راج کمار اور راج کماریاں اپنے رشتہ داروں کو تصویروں کا البم پیش کرتے تھے۔ خاص طور سے جہانگیر کے بعد یہ روایت چلی، دارا شکوہ نے اپنی بیوی کو جو مرقع پیش کیا تھا وہ آج بھی لندن میں موجود ہے۔ اس مرقعے کا مطالعہ کرنے والے ایک ماہر نے لکھا ہے کہ وہ کوہ نور سے بھی زیادہ اہم ہے۔

دارا شکوہ شاعر بھی تھے اور خاص طور سے فارسی میں شاعری کرتے تھے۔ ان کی فارسی شاعری کا ایک دیوان ملتا ہے۔ مشیر بھائیوں کے مضامین سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دارا شکوہ ہندی میں بھی شاعری کیا کرتے تھے۔ ان کی ہندی شاعری ابھی ملی نہیں ہے لیکن ان کے بارے میں اطلاعات ملی ہیں۔ ایک کتاب ہے 'سنگیت راگ کلپ درم'، اس کتاب میں عہد وسطی کی اور خاص طور سے مغل دور کی بہت سی نظمیں ملتی ہیں۔ اس کتاب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مغل بادشاہ اور راج کمار ہندی میں شاعری کرتے تھے۔ اس میں اکبر سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک تقریباً سبھی مغل بادشاہ ہندی میں شاعری کرتے تھے اور کچھ نظمیں ان راج کماروں کی بھی ہیں جو بادشاہ نہیں بن پائے۔ اس میں تقریباً تیس نظمیں اکبر کی ہیں اور بارہ اورنگ زیب کی۔ اورنگ زیب کا نام سامنے آتے ہی جیسے انسان کی تصویر ابھرتی ہے، ٹھیک اس کے برخلاف اورنگ زیب کی نظمیں ایک عاشق مزاج شخص کی نظمیں ہیں۔ اگر آپ اورنگ زیب کی نظمیں... پڑھیں تو آپ کی رائے بدل جائے گی۔ کم لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ مغل خاندان میں پڑھنے لکھنے کی بہت اچھی روایت تھی۔ مردوں اور عورتوں کے لیے، نور جہاں فارسی میں شاعری کرتی تھیں، نور جہاں کی شاعری کے کچھ متفرق نمونے ملتے ہیں۔ لیکن اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء نے باقاعدہ مخفی تخلص اختیار کیا تھا اور ان کا دیوان چھپا تھا۔ ایسی حالت میں دارا شکوہ کا فارسی اور ہندی میں شاعری کرنا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ مشیر بھائیوں نے لکھا ہے کہ دارا شکوہ نے ہندی میں جو نظمیں لکھی تھیں ان کے مجموعے کا نام ہے دوہا تصوف۔ اس نے جس طرح اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، اسی طرح مدھیہ کال (عہد وسطی) کی ہندی شاعری کا بھی فارسی میں ترجمہ کرنا چاہا تھا۔ اس کے لیے اس نے 'سارا سنگرہ' نام سے نظموں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جو اب تک دستیاب نہیں۔

اورنگ زیب کی زندگی اور حکومت کی تاریخ لکھنے والے یدوناتھ سرکار کو ۱۹۰۵ میں لکھے ایک خط میں مشہور تاریخ داں ولیم اروِن نے کہا تھا ''شکست خوردہ (دارا شکوہ) تاریخ میں ہمیشہ بہت کم انصاف پاتا ہے''۔ یہ بات پوری طرح سچ ہے، اصل میں تاریخ نگار حکومت کے مداح ہوتے ہیں، وہ علم کے جویا کو کیوں اہمیت دیتے۔ اورنگ زیب کے زمانے میں تاریخ نے دارا شکوہ کے ساتھ ناانصافی کیا ہے۔ مغل حکمراں اپنے دربار میں تاریخ دانوں کو رکھتے تھے اور ان سے اپنی زندگی اور حکومت کی تاریخ لکھواتے تھے۔ اورنگ زیب نے بھی یہی کام کیا تھا۔ صرف جاگیردارانہ دور میں ہی ایسا نہیں ہوتا ہے، آج کے وقت میں بھی سرکار اپنے بنائے اداروں اور اپنے پالے ہوئے تاریخ دانوں سے اپنی مرضی کے مطابق تاریخ لکھواتے ہیں۔ محمد کاظم نے اپنی کتاب 'عالمگیر نامہ' میں دارا شکوہ کے بارے میں لکھا ہے: دارا شکوہ اپنی جوانی کے دنوں میں صرف آزاد سوچ اور غیر مذہبی نظریے تک محدود نہ تھا بلکہ ہندو مذہب اور اس کے اداروں کی طرف اس کا جھکاؤ بڑھ رہا تھا۔ وہ برابر برہمنوں، یوگیوں اور سنیاسیوں کی صحبت میں رہتا تھا۔ اس نے نماز اور روزہ وغیرہ کو چھوڑ دیا تھا۔ یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ اگر دارا شکوہ گدی پر بیٹھتا اور اس کو حکومت حاصل ہوتی تو اسلام خطرے میں پڑ جائے گا۔ اسلام کی حفاظت اور شریعت کو بنائے رکھنے کے لیے اور ساتھ ہی سیاست کو دھیان میں رکھ کر اس کا قتل کر دیا گیا۔ اس وقت کے ایک اور درباری تاریخ نگار شاکی خاں نے اپنی کتاب 'ماثر عالمگیری' میں لکھا ہے: ''مختلف وجوہات سے یہ ضروری تھا کہ دارا شکوہ کی زندگی کو پوری دنیا سے ہٹا اور مٹا دیا جائے، اس لیے ۳۰/اگست ۱۶۵۹ کو اس کی شمع زندگی بجھا دی گئی اور اسے ہمایوں کے مقبرے میں دفنا دیا گیا۔''

دارا شکوہ کے قتل کے وقت اس پر جو الزام لگائے گئے تھے وہی درباری تاریخ نگاروں کے ذریعے دہرائے گئے۔ 'رباعیات سرمد' کے پیش لفظ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ ''ایشیا میں ہمیشہ سے مذہب کی آڑ میں سیاست رہی ہے اور ہزاروں خون ریزیاں جو سیاسی وجوہ سے ہوتی انھیں مذہب کی چادر سے ڈھانک کر چھپا دیا گیا ہے۔'' اگر یہی کام تاریخ کا ہے تو ہیگل کی تاریخ کے بارے میں ایک قول کا یاد آنا فطری ہے۔ ''تاریخ قصائی کا تختہ ہے جس پر عوام کی خوشیاں، صوبوں کی دانش، فرد کی خوبیوں کی قربانی دی جاتی ہے۔''

تاریخ نے دارا شکوہ کے ساتھ جیسا سلوک کیا ہے ویسا ادب نے نہیں کیا ہے۔ عہد وسطی سے لے کر دور جدید تک مسلسل شاعر اور قلم کار دارا شکوہ پر نظمیں، ناٹک اور ناول لکھ کر اس کے کاموں کی تعریف کرتے رہے ہیں۔ گوبندرا چارج سرسوتی لال کوی، سورج مل مشرن، کوی راج شیامل داس سے لے کر رام داس شرما تک نے دارا شکوہ پر نظمیں لکھی ہیں۔ قاضی عبدالستار، شیامل گنگوپادھیائے اور بھولا شنکر ویاس نے اردو، بنگلہ اور ہندی میں ناولوں کی تخلیق کی ہے۔ ڈاکٹر مجیب، گوپال گاندھی اور بھیشم ساہنی نے انگریزی، اردو اور ہندی میں اپنے ناٹک لکھے ہیں جس کے مرکز میں دارا شکوہ ہے۔ میکسیکو کے مشہور ناول نگار کارلوس فوینتیز نے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ ''تاریخ جن کا قتل کرتی ہے، فن ان کو زندگی دیتا ہے۔ تاریخ جس کی آواز سننے سے انکار کر دیتی ہے فن میں ان کی آواز سنائی دیتی ہے۔'' ادب نے جو دارا شکوہ کے ساتھ سلوک کیا ہے وہ الگ سے ایک گفتگو کا موضوع ہے، اس لیے یہاں اس کا ذکر ممکن نہیں ہے۔

دارا شکوہ صوفی، شاعر اور مفکر تھے۔ اس میں علم کی پیاس گہری تھی، سچ کی کھوج اور اپنے اصول کے لیے ذات کو قربان کر دینے کی جلدی تھی۔ اس کی نہایت مشہور کتاب 'مجمع البحرین' جس کو سمندر سنگم بھی کہا جاتا ہے، سمندر سنگم نام سے ہی اس کا ترجمہ ۱۶۵۹ میں دارا شکوہ نے کیا تھا۔ عہد وسطی کو میں تہذیبی سنگم کا عہد مانتا ہوں۔ دارا شکوہ اس تہذیبی سنگم کا نمائندہ ہے اور علامت بھی۔ 'مجمع البحرین' میں اسلام اور ہندو مذہب کی بنیادی وحدت کے مختلف پہلوؤں کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دارا شکوہ نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ یہ سچ کی تلاش کرنے والے دو طبقوں کی سچائی اور دانش کا مجموعہ ہے۔ مغرب میں پچھلی دو صدیوں میں مذاہب کے تقابلی مطالعے کا جو رجحان فروغ پایا ہے اس کی ابتدا دارا شکوہ سے ہوئی، یہ ہمیں تسلیم کرنا چاہیے۔ دارا شکوہ نے مذاہب کے تقابلی مطالعے کا یہ کام سترہویں صدی کی ابتدا میں شروع کیا، لیکن عام طور پر اس سیاق میں اس کا کوئی نام نہیں لیتا۔ 'مجمع البحرین' کا انگریزی میں ترجمہ ۱۹۲۹ میں ہوا تھا۔ اس ترجمے کے بعد مذہب کے تقابلی مطالعے کے سیاق میں 'مجمع البحرین' کا کچھ ذکر ہونے لگا۔ لیکن مغرب کے علما یہ کہنا نہیں بھولتے کہ اس میں سچائی بہت کم ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ مغرب میں پیدا نہ ہو وہ بنیادی یا تاریخی کیسے ہو سکتا ہے۔

(باقی آئندہ)

تیسری اور آخری قسط

عہدِ حاضر کا ایک اہم اقبال شناس

محمد صہیب (1/156B/9B، شمس نگر، کریلا باغ، الٰہ آباد)

اقبال کے فلسفیانہ افکار کو ان کی شاعری پر ترجیح نہ دینے کے سلسلے میں جو اشکالات پیدا ہو سکتے ہیں، فاروقی کی نظر میں وہ بھی ہیں، اس طرح کے خیالات کیوں کر پیدا ہوتے ہیں اور بنیادی غلط فہمی کہاں ہو رہی ہے فاروقی نے ان تمام گوشوں کی نشان دہی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ کیا اقبال کے وہ تمام مطالعے اور تجزیے غیر ضروری ہیں جن میں اقبال کے فلسفیانہ افکار سے بحث کی گئی ہے؟ کیا ہم کسی نظم کا خلاصہ اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ اس میں نظم کردہ تصورات بالکل نظر انداز ہو جائیں؟ مثلاً یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ہم "خضر راہ" کا مطالعہ کریں اور ان تمام باتوں کو نظر انداز کر دیں جو طبیعت، قومیت، زندگی، آمریت، سرمایہ داری وغیرہ کے بارے میں ہیں؟ اور اگر ہم ان باتوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے تو پھر ان مفکروں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے جن کے خیالات کا پرتو اقبال پر پڑا ہے۔

اس خیال یا سوال میں بنیادی غلط فہمی یہ ہے کہ نظم میں بیان کردہ خیالات کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کا وجود نظم کے باہر بھی ہے۔ یعنی نظم محض منظوم خیالات کا نام نہیں ہے۔ یعنی نظم ایک شے ہے اور اس میں شامل خیالات ایک اور شے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ محض غلط ہے۔ نظم ایک نامیاتی وجود رکھتی ہے۔ جس طرح ایک پھول نامیاتی وجود رکھتا ہے جس طرح یہ ممکن نہیں کہ آپ پھول کا رنگ الگ کر لیں، خوشبو الگ کر لیں وغیرہ اور یہ دکھا سکیں کہ اس پھول میں اتنا رنگ ہے، اتنی خوشبو ہے وغیرہ۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ آپ نظم کو منظوم خیالات فرض کر سکیں اور دکھا سکیں کہ اس میں خیالات اتنے ہیں اور نظم اتنی ہے۔ لہٰذا جب نظم اور اس میں بیان کردہ خیالات کو الگ الگ نہیں کر سکتے تو خیالات کا مطالعہ نظم سے الگ نہیں ہو سکتا۔ نظم کا مطالعہ کرتے وقت خیالات کی تفصیل میں جانا غلط نہیں، لیکن خیالات کی تفصیل میں جانا اور نظم کو محض ظرف فرض کرنا تنقیدی طریق کار نہیں۔ اسلوب احمد انصاری کی کتاب 'اقبال کی تیرہ نظمیں' یہ فرض کر کے تو لکھی گئی ہے کہ یہ سب نظمیں شاعرانہ قدر و قیمت رکھتی ہیں لیکن ان نظموں کے خیالات کو واضح کرنا اور اس بات کو واضح نہ کرنا کہ ان خیالات کی اہمیت ہمارے لیے اسی وقت اور اسی حد تک ہے جب انھیں نظم کے اندر فرض کیا جائے، اقبال کے ساتھ تھوڑی بہت زیادتی ہے۔ پھر بھی اقبال کے بارے میں یہ رویہ اس زیادتی سے بہت بہتر ہے جو نظریہ اور فلسفہ پرست نقادوں نے ان پر روا رکھی ہے۔ دیکھیں اقبال ترے اعدا سے کب نکلتے ہیں۔"[۱]

اقبال کو فاشسٹ کہا گیا۔ اقبال کے افکار کا روسی انقلاب پر جو اثر پڑا اس وجہ سے بعض مفکرین مثلاً عزیز احمد وغیرہ غلط فہمی کا شکار ہوئے۔ فاروقی کا ایسے لوگوں کے خلاف سخت رد عمل ہے۔ ان کے مطابق اقبال کو کسی طرح کا کوئی علاقہ مارکس سے نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ عادلانہ اور منصفانہ تقسیم دولت کے نظریے کے پابند تھے۔ اگر کوئی شخص روٹی کھاتا ہے اور کیمونسٹ بھی روٹی کھاتا ہے تو اس مماثلت کی بنا پر اس کو کیمونسٹ نہیں کہا جا سکتا۔

اسی طرح فاروقی کا ان لوگوں کے خلاف بھی سخت رد عمل ہے جو دو چار غلطیوں کی بنا پر اقبال کی زبان کو درجۂ اعتبار سے ساقط قرار دیتے ہیں، حالانکہ اسی طرح کی لغزشیں میر انیس، میر درد، مومن، اور داغ کے یہاں بھی پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ نہیں کیا جاتا جس طرح کا برتاؤ اقبال کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ فاروقی کے مطابق:

"یہ محض تعصب نہیں بلکہ شعر اور شعری زبان کے تقاضوں سے بے خبری اور اس بنیادی حقیقت کا انکار ہے کہ زبان، شاعر کے استعمال سے اعتبار پاتی ہے نہ کہ شاعر کو زبان کے مروج استعمال کی بنا پر مجبور کیا جاتا ہے۔"[۲]

شمس الرحمٰن فاروقی کے یہاں اقبال کی شاعری کی بہت سی جہات پر روشنی پڑتی ہے۔ اقبالیات کے سلسلے میں ان کی تنقیدی بصیرت، ان کی انفرادیات میں جو کشش نظر آتی ہے اس کا ثبوت، ان کا تجزیاتی مطالعہ اور ان کی دقیقہ سنجی سامنے آتی ہے۔ ویسے تو حقیقت یہ ہے کہ راقم الحروف کی طالب علمانہ نظر میں اقبال کی شاعری نے ابن سینا کے لفظوں میں وہ صورت اختیار کی ہے جہاں حسن خود ہی اپنا پردہ دار بھی ہوتا ہے اور پردہ در بھی۔ حقیقی معنوں میں جس حرف تمنا کی طرف ابن سینا نے اشارہ کیا تھا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اقبال نے اپنے زاویۂ نظر کی اس شعر میں بڑی خوب صورت تصویر کھینچ دی ہے۔ کہتے ہیں:

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
حرف تمنا جسے کہہ نہ سکیں رو برو

حواشی

۱۔ دیباچہ خورشید کا سامان سفر، شمس الرحمٰن فاروقی

۲۔ دیباچہ خورشید کا سامان سفر، شمس الرحمٰن فاروقی

۳۔ انگریزی مضامین کی فہرست حسب ذیل ہے:

(1) How to read Iqbal?
(2) Is Iqbal, the poet relevant to us today?
(3) Iqbal's Romantic Dilemma
(4) Iqbal the Riddle of Lucretius, and Ghalib
(5) The Image of Satan in Iqbal and Milton
(6) A complaint against Khushwant Singh's complaint and answer
(7) Iqbal - A Selection of the Urdu verse : Test and Translation.

۴۔ ٹی ایس، اقبال اور ایلیٹ، مشمولہ خورشید کا سامان سفر ص 2

۵۔ ٹی ایس، اقبال اور ایلیٹ، مشمولہ خورشید کا سامان سفر صفحہ 21-22

۶۔ آسمان کے بدلتے ہوئے رنگ، غالب اور اقبال، مشمولہ خورشید کا سامان سفر ص 31

۷۔ آسمان کے بدلتے ہوئے رنگ، غالب اور اقبال، مشمولہ خورشید کا سامان سفر ص 33

۸۔ آسمان کے بدلتے ہوئے رنگ، غالب اور اقبال، مشمولہ خورشید کا سامان سفر ص 34

۹۔ اقبال کا لفظیاتی نظام، مشمولہ خورشید کا سامان سفر ص 42

۱۰۔ یوسف سلیم چشتی کے مطابق جس طرح پرندوں میں شاہین اقبال کا محبوب ہے اسی طرح پھولوں میں گل لالہ انھیں بہت مرغوب ہے۔ گل لالہ سے اقبال کی دل بستگی کا سبب یہ ہے کہ جس طرح ان کو شاہین میں مرد مومن کی صفات نظر آتی ہیں، اسی طرح وہ اس پھول میں عاشق کی زندگی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (اقبال کا لفظیاتی نظام، مشمولہ خورشید کا سامان سفر، ص 47-48)

۱۱۔ اقبال کا لفظیاتی نظام، مشمولہ خورشید کا سامان سفر، ص 48-49

۱۲۔ اقبال کا لفظیاتی نظام، مشمولہ خورشید کا سامان سفر، ص 52

۱۳۔ اقبال کا لفظیاتی نظام، مشمولہ خورشید کا سامان سفر، ص 52-53

۱۴۔ اقبال کا لفظیاتی نظام، مشمولہ خورشید کا سامان سفر، ص 63

۱۵۔ اقبال کا لفظیاتی نظام، مشمولہ خورشید کا سامان سفر، ص 40

۱۶۔ اقبال کے حق میں رد عمل، مشمولہ خورشید کا سامان سفر، ص 110-111

۱۷۔ اقبال کے حق میں رد عمل، مشمولہ خورشید کا سامان سفر، ص 114-115

۱۸۔ اقبال کے حق میں رد عمل، مشمولہ خورشید کا سامان سفر، ص 102

□□□

✦✦✦✦✦

اردو دُنیا

یوپی ایس سی امتحانات سے عربی و فارسی زبانوں کے اخراج کا معاملہ

سہ رکنی وفد کی وزیر مملکت برائے امور خارجہ ای احمد سے ملاقات

نئی دہلی (13 ستمبر)۔ یو پی ایس سی امتحانات سے عربی و فارسی زبانوں کے اخراج کے سلسلے میں آل انڈیا ایسوسی ایشن آف عربک ٹیچرس اینڈ اسکالرس کے نائب صدر پروفیسر حبیب اللہ خاں (جامعہ ملیہ اسلامیہ)، جنرل سکریٹری ڈاکٹر سید حسنین اختر (الٰہ آباد یونیورسٹی) اور خازن ڈاکٹر فوزان احمد (جامعہ ملیہ اسلامیہ) پر مشتمل ایک سہ رکنی وفد نے وزیر مملکت برائے امور خارجہ ای احمد سے ملاقات کی۔ ملاقات کے دوران انھوں نے یو پی ایس سی کے امتحانات سے عربی و فارسی زبانوں کے نکالے جانے پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ دونوں زبانیں ملک کی کلاسیکی زبانوں کی فہرست میں آتی ہیں اور ان کی حیثیت سنسکرت، تیلگو، کنڑ جیسی دیگر زبانوں کی طرح ہے، بلکہ یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ اہمیت کے اعتبار سے یہ دونوں زبانیں ان میں سے بعض زبانوں سے بڑی ہیں۔ وفد کے ارکان نے وزیر موصوف کو بتایا کہ آج بھی ہندستان کے بعض علاقوں میں عربی زبان مادری زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان میں مشرق و جنوب کے علاقے خصوصیت کے حامل ہیں، جہاں ایک بڑی تعداد اس زبان سے وابستہ ہے۔ اس زبان کا ہندستانی تہذیب و تمدن سے بھی گہرا رشتہ ہے۔ مرکزی وزیر مملکت برائے خارجی امور ای احمد نے وفد سے بات چیت کے دوران کہا کہ اس معاملے میں وہ بذات خود دلچسپی لے رہے ہیں اور اپنے طور پر کوشاں ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ کو ایک خط بھی تحریر کیا ہے اور اس کے مضر اثرات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وزیر موصوف نے وفد کے ارکان کو بتایا کہ وزیر اعظم نے اس خط کا جواب بھی ارسال کیا ہے جس میں انھوں نے یہ یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ اس معاملے پر غور کریں گے۔ اس موقع پر وفد کے ارکان نے ای احمد کو ایک میمورنڈم بھی پیش کیا۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

یوپی سکریٹریٹ میں اردو شعبے کا وقار بحال

ایس اے ٹی رضوی کمیٹی کی سفارشات پر عمل درآمد

لکھنؤ (16 ستمبر)۔ یوپی سکریٹریٹ کا شعبۂ اردو جو برسوں سے ناانصافی اور جمود کا شکار تھا، آخرکار ایس اے ٹی رضوی کمیٹی کے مثبت اقدام کے نتیجے میں نئے بندوبست سے روشناس ہوا۔ سکریٹریٹ انتظامیہ کی جانب سے جاری تازہ حکم نامے کے ذریعے اردو اور ہندی شعبوں کے ترقی پانے والے ملازمین کی فہرست شائع کردی گئی ہے اور متعلقہ افراد نے اپنے عہدوں کا چارج سنبھال لیا ہے۔ یہ فہرست اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں شعبۂ اردو کو سکریٹریٹ کے اصل دھارے میں شامل کیا گیا ہے اور پہلی بار شعبۂ اردو کے رکن شاہد علی کو انڈر سکریٹری بنایا گیا ہے۔ سابقہ دو سیکشنوں کی جگہ پانچ سیکشن کی تشکیل کے ساتھ پانچ اردو افسران ایک ساتھ سیکشن افسر کے عہدے پر فائز ہوئے ہیں جن کے نام اس طرح ہیں: نیاز احمد خاں، اظہر علی خاں، کمال احمد، انیس مصطفیٰ اور صادق حیدر زیدی۔

واضح رہے کہ سکریٹریٹ میں اردو کا شعبہ ایک مدت سے اردو دشمن پالیسیوں کے خلاف جدوجہد کر رہا تھا۔ یہاں کام کرنے والے ملازمین کی ترقی کے سارے راستے مسدود تھے۔ لوگ ایک ہی عہدے پر ملازمت کرتے ہوئے ریٹائر ہوجاتے تھے جب کہ انھی کے ساتھ ملازمت میں آنے والے ہندی شعبے کے ملازمین کی ترقی کے سارے راستے کھلے تھے اور لوگ انڈر سکریٹری تک کی ترقی بہ آسانی پاجاتے تھے۔ چھٹے تنخواہ کمیشن کے تحت بنی ایس اے ٹی رضوی کمیٹی کے صدر ایس اے ٹی رضوی نے اس تعطل اور ناانصافی کو دور کرنے کے لیے کئی اہم سفارشات کیں اور ریاستی کابینہ نے ان کی سفارشات کو منظوری بھی دے دی۔ اس کے باوجود کچھ متعصب افسران نے کابینہ کے فیصلے کو بھی تبدیل کردیا تھا جس پر تمام اردو اخبارات نے زبردست احتجاج کیا تھا۔ بالآخر اردو دشمنوں کو شکست ہوئی اور رضوی کمیٹی کی سفارشات پر عمل درآمد ہوگیا۔ سکریٹریٹ کا اردو شعبہ کئی لحاظ سے کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ وزیر اعلا، گورنر اور محکمۂ داخلہ جیسے حساس دفتروں کے تمام اردو دستاویزوں کا ترجمہ اسی شعبے میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ غیر ملکی ویزا جاری ہونے سے قبل نکاح ناموں کا ترجمہ بھی اسی شعبے میں ہوتا ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اردو والوں کے لیے NOKIA کا تحفہ

2 سم والے NOKIA-114 کے نام سے موبائل ہینڈ سیٹ کی لانچنگ

نئی دہلی (12 ستمبر)۔ فن لینڈ کی موبائل ہینڈ سیٹ بنانے والی NOKIA نے ہندستان میں اردو زبان بولنے والے 15 کروڑ لوگوں کو پہلا موبائل فون پیش کیا ہے۔ ٹیلی مواصلات کے مرکزی وزیر کپل سبل نے آج یہاں دو سم والے NOKIA-114 کے نام سے پیش کیے گئے اس موبائل ہینڈ سیٹ کو لانچ کیا۔ اس کی قیمت 2579 روپے ہے۔ سبل نے اس موقع پر کہا کہ وہ دیگر ممالک کے بارے میں تو نہیں کہہ سکتے ہیں لیکن یہاں یہ پہلا فون ہے، جس کی زبان اردو ہے۔ انھوں نے کہا کہ نوکیا کے لوگ 6 سے 8 ماہ پہلے میرے پاس آئے تھے اور میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ ملک میں اردو زبان بولنے والے 15 کروڑ لوگوں کے لیے اگر فون بنا سکتے ہیں تو وہ اس چیلنج کو لے سکتے ہیں اور ان کا خیر مقدم ہے۔ نوکیا کے منیجنگ ڈائرکٹر پی بالا جی نے اس موقع پر کہا کہ موبائل فون اردو، ہندی اور انگریزی سمیت 9 زبانوں میں کام کرسکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ کمپنی نے اپنے ہینڈ سیٹوں میں دیگر زبانوں کو فروغ دے کر ہینڈ سیٹ تیار کیا تھا لیکن اردو زبان میں اب تک نہیں پہنچ پائے تھے لیکن اب کمپنی نے یہ بھی کامیابی حاصل کرلی ہے۔ بالاجی نے کہا کہ وہ اس موبائل فون کو ملک بھر میں فروخت کے لیے دستیاب کرائیں گے لیکن کمپنی کی نظر خاص طور پر مہاراشٹر، جموں و کشمیر، آندھرا پردیش، اتر پردیش اور کرناٹک پر مرکوز رہے گی۔ نوکیا 114 میں ساڑھے 10 گھنٹے تک بیٹری کو دوبارہ چارج کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ انٹرنیٹ، 0.3 میگا پکسل کیمرہ، ایف ایم ریڈیو اور ویڈیو وغیرہ شامل ہیں۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

نیا گڑھ میں اردو گرلس ہائی اسکول کا قیام و منظوری

نیا گڑھ، مغربی بنگال (11 ستمبر)۔ باشندگان نیا گڑھ بالخصوص اردو طبقے کے لیے مسرت افزا خبر ہے کہ 10 ستمبر 2013 کو سرزمین نیا گڑھ میں ایک گرلس اسکول بنام نیا گڑھ گرلس ہائی اسکول (اردو میڈیم) کا قیام عمل میں آچکا ہے اور حکومت مغربی بنگال سے اسے منظوری بھی مل چکی ہے۔ اس کا اعلان مذکورہ تاریخ کو مغربی بنگال کی وزیر اعلا محترمہ ممتا بنرجی نے باراسات کے کچہری میدان میں کیا۔ عرصۂ دراز سے نیا گڑھ میں ایک اردو گرلس ہائی اسکول کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، لہٰذا اس اسکول کے قیام سے نیا گڑھ کی لڑکیوں کی تعلیمی ضرورت کی تکمیل ممکن ہوسکے گی۔ اس اسکول کا قیام ماسٹر محمد جلیل (وائس چیئرمین نیا گڑھ میونسپلٹی) کی کوششوں کا نتیجہ ہے، جنھوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور محنتوں سے اس کارہائے نمایاں کو انجام دیا۔ بہت جلد اسکول کی عمارت کی تعمیر کا سلسلہ اے کے آزاد روڈ میں واقع میونسپل کی زمین پر شروع ہوگا۔

(اخبار مشرق۔ کلکتہ)

اردو میں بھی دفتری امور انجام دینے کا مطالبہ

ہوڑہ، مغربی بنگال (9 ستمبر)۔ ہوڑہ کی بالی میونسپلٹی میں اردو زبان میں سرکاری کام کاج شروع کرانے کو لے کر ترنمول کانگریس کے سکریٹری ڈاکٹر واصف اختر کی قیادت میں ایک وفد نے مطالبہ کیا کہ اگر ایک ہفتے کے اندر اردو زبان میں سرکاری طور پر کام کاج نہیں شروع کیا گیا تو ترنمول کی طرف سے بالی میونسپلٹی کا گھیراؤ کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں ان کی مانگ ہے کہ چار ماہ گزر جانے کے باوجود بالی میونسپلٹی کے نام کی تختی بھی اردو میں نہیں لکھی گئی ہے، اسے بلا تاخیر لکھا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومت مغربی بنگال کے جاری کردہ 14 اپریل کے سرکاری سرکلر کے مطابق تیرہ میونسپلٹی، تین بلاک، اور تین کارپوریشنوں میں اردو زبان میں بھی طرح کے سرکاری کام کاج ہونے چاہئیں اور بالی میونسپلٹی بھی اسی میں شامل ہے۔

(اخبار مشرق۔ کلکتہ)

اردو مدارس میں اکیڈمک انسٹرکٹرس کے تقررات کا مطالبہ

بلاریڈی، آندھرا پردیش (8 ستمبر)۔ بلاریڈی میں طلبہ کے سرپرستوں نے مقامی سیاسی قائدین محمد معین الدین (وارڈ ممبر) اور جناب سید حبیب اللہ کی زیر قیادت ایک وفد کی شکل میں اسسٹنٹ جوائنٹ کلکٹر نظام آباد جناب شیلاوری سے نمائندگی کرکے تمام سرکاری پرائمری اور ہائی اسکولوں میں اکیڈمک انسٹرکٹرس کے تقررات کا مطالبہ کیا۔ واضح ہو کہ جناب شیلاوری بلاریڈی کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ اس موقع پر انھیں ایک تحریری یادداشت پیش کرکے بتایا گیا کہ ٹاؤن میں واقع تمام سرکاری مدارس میں اردو اساتذہ کی قلت کے سبب تعلیم پر مضر اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ نصاب کے عدم تکمیل کے سبب قیمتی سال ضائع ہوجانے کا طلبہ اور ان کے سرپرستوں کو اندیشہ لاحق ہے۔ اس ضمن میں محکمہ تعلیمات کے متعلقہ عہدیداروں سے متعدد مرتبہ نمائندگی کے باوجود حالت جوں کے توں ہیں اور کسی بھی اسکول میں اساتذہ کا تقرر عمل میں نہیں لایا گیا۔ طلبہ کے سرپرستوں نے شیلاوری صاحب سے مطالبہ کیا کہ وہ فی الفور شہر کے اردو مدارس میں اکیڈمک انسٹرکٹرس کے تقررات کے لیے اقدام کریں۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

کلکٹریٹ کے دفاتر میں اردو مترجم کا تقرر کیا جائے

میدک (10 ستمبر)۔ اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن (آٹیا) کی جانب سے میدک ٹاؤن میں صحافیوں کے اعزاز میں ایک تہنیتی تقریب منعقد کی گئی۔ اس موقع پر جناب محمد فاضل حسین، جناب سید میر ظفراللہ عابد اور محمود ریاض الدین نے اردو صحافیوں کے مسائل پر روشنی ڈالی اور ریاست کے تمام اضلاع میں واقع کلکٹریٹ میں فوری طور پر اردو مترجم کے تقرر کا مطالبہ کیا تاکہ اردو داں طبقے کو سہولت فراہم کی جاسکے۔ جناب فاضل حسین نے مسائل کی یکسوئی کے لیے اردو صحافیوں اور اردو ٹیچروں کی جانب سے مشترکہ طور پر کوشش کرنے پر زور دیا۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

گرامی نامے

ادارے کا مراسلہ نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ڈاکٹر مسعود جعفری کا مضمون

'اقبال کی شاعری میں ہندستانیت' اور ایک تسامح

مکرمی! یکم تا ۷ ستمبر 2013 کے 'ہماری زبان' میں اپنے قابلِ قدر مضمون 'اقبال کی شاعری میں ہندستانیت' میں ڈاکٹر مسعود جعفری نے ایک عجیب بات لکھی ہے: ''اقبال نے ہندستان کی شان و شوکت کی آئینہ داری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پاکستان چلے جانے سے ان کے خیالات ختم نہیں ہو جاتے'' وغیرہ وغیرہ اور پھر ان لوگوں کی مثالیں دی ہیں جو اپنے وطن سے کہیں اور منتقل ہو گئے تھے جیسے جوش، کارل مارکس، نپولین۔ یہ حضرات اپنے وطن سے جہاں بھی چلے گئے ہوں، اقبال تو ہندستان ہی میں پیدا ہوئے اور ہندستان ہی میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کا انتقال 1938 میں ہوا اور پاکستان 1947 میں وجود میں آیا۔ اس صورت میں وہ پاکستان کیسے چلے گئے؟ البتہ ان کی قبر ضرور ہندستان کے بجائے پاکستان کو منتقل ہو گئی لیکن اس کی ذمہ داری علامہ اقبال پر ہرگز عائد نہیں ہوتی ہے جیسے داتا صاحبؒ، جہاں گیر اور نور جہاں پر نہیں عائد ہوتی ہے۔

ریاض الرحمٰن شروانی
حبیب منزل، میرس روڈ، علی گڑھ

دو یادگار ادبی محفلیں

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں گزشتہ دنوں تاریخی اہمیت کی دو ادبی محفلیں منعقد ہوئیں۔ پہلی نشست شہیرِ قلم، نامور ادیب قاضی عبدالستار کے اعزاز میں تھی، جس کا مقصد اس بلند قد نثر نگار کو خراجِ تحسین پیش کرنا تھا۔ یہ بزم ادب ابن سینا اکاڈمی کے زیر اہتمام اور آذر اکاڈمی کے تعاون سے منعقد کی گئی۔ پروگرام کے کنوینر پروفیسر صغیر افراہیم نے معزز صاحبِ بزم قاضی صاحب اور دیگر مہمانانِ کرام کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس دن کو ایک یادگار دن قرار دیا اور کہا کہ دورِ حاضر میں قاضی صاحب اردو ہی نہیں ہندستان و پاکستان کے سب سے قدآور افسانہ نگار و ناول نویس ہیں۔ اس نشست میں قاضی صاحب کے شاگردِ رشید ڈاکٹر مظفر حسین سید نے اپنی کلیدی پیش کش کے طور پر قاضی صاحب کی شخصیت پر ایک طویل، وسیع و بسیط مضمون پیش کیا، جس میں قاضی صاحب کے ساتھ چالیس برس کو محیط اپنی رفاقت و نیاز مندی کی تصویر کشی انتہائی موثر انداز میں کی۔ انھوں نے اپنی تحریر کے توسط سے قاضی عبدالستار کی عظیم شخصیت کے سراپے کو ایک قلمی تصویر بنا دیا۔ اس محفل میں مشہور شعرا معید قدوائی، مشرف حسین مضطر اور عابد علی عابد نے قاضی صاحب کو منظوم خراجِ تحسین پیش کیا۔ جلسے کی صدارت ابن سینا اکاڈمی کے صدر حکیم سید ظل الرحمٰن نے فرمائی اور آخر میں شکریہ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن نے ادا کیا۔

دوسری یادگار ادبی محفل شعبۂ لسانیات کے استاد پروفیسر علی رفاد فتیحی کے زیرِ اہتمام منعقد ہوئی، جس کا عنوان تھا 'ایک شام طارق چھتاری کے نام'۔ اس بزم میں بھی مقبول افسانہ نگار طارق چھتاری کے دیرینہ حبیب ڈاکٹر مظفر حسین سید نے ان کی شخصیت پر ایک مرصع خاکہ پیش کیا۔ اس نشست میں نامور افسانہ نگار پروفیسر غضنفر نے طارق چھتاری کی تخلیقات کا احاطہ کرتے ہوئے ایک علامتی مضمون پڑھا جو اپنی جگہ صنفِ ادب کا حامل تھا۔ پروگرام کی نظامت ڈاکٹر نوید انجم نے کی۔

محفل کی برخاستگی کے بعد مشہور صحافی محمد احمد شیون نے اعلان کیا کہ جذبی صدی کے پروگرام کے ذیل میں جلد ہی عظیم شاعر معین احسن جذبی کی یاد میں ایک مذاکرے اور شامِ غزل کا اہتمام کیا جائے گا۔

(پیش کش: رباب الدین عثمانی)

ڈی ای او کیلنڈر اردو میں بھی شائع کرنے کا مطالبہ

حیدرآباد (8 ستمبر)۔ ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسر حیدرآباد کی جانب سے ان دنوں تعلیمی میدان میں جو سہولیات مہیا کی جا رہی ہیں اس کی تشہیر کے لیے ڈی ای او ہر سال کیلنڈر شائع کرتے ہیں لیکن اس سال ڈی ای او نے صرف تلگو زبان میں سال 14-2013 کا کیلنڈر شائع کیا ہے۔ مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے جنرل سکریٹری جناب ایم ایس فاروق نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ تلگو زبان کے ساتھ انگریزی اور اردو زبان میں بھی کیلنڈر کی اشاعت عمل میں لائی جانی چاہیے۔

(سیاست ۔ حیدرآباد)

اردو اساتذہ کی تقرری کو لے کر

ایجوکیشنل ڈیولپمنٹ کے وفد کی وزیرِ اعلا سے ملاقات

نئی دہلی (5 ستمبر)۔ دہلی کے کسی بھی اسکول میں مارچ 2013 کے بعد سے اردو اساتذہ کی تقرری نہیں کی گئی ہے۔ فیڈریشن فار ایجوکیشنل ڈیولپمنٹ کے ایک وفد نے آج وزیرِ اعلا کی رہائش گاہ پر جا کر دہلی میں اردو اساتذہ کی تقرری کے سلسلے میں ملاقات کی۔ وفد کو وزیرِ اعلا نے صرف یقین دہانی کرا کر دہلی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین صفدر ایچ خاں سے ملاقات کرنے کی صلاح دی۔ جب یہ وفد صفدر ایچ خاں سے ملا تو انھوں نے وفد کے سامنے ایجوکیشن محکمہ سے 2012 کے اردو اساتذہ کی تقرری کے سلسلے میں جاری سرکلر کو دکھا دیا، لیکن وفد میں شامل قومی اقلیتی کمیشن برائے تعلیمی ادارہ جات کے مشرقی ضلع دہلی کے کو آرڈی نیٹر محمد عاقل نے جب ان کے سامنے مسلم اکثریتی کالونیوں سیلم پور، جعفرآباد، مصطفیٰ آباد، سندر نگری، سیما پوری، کبیر نگر، نور الٰہی، گھونڈا، چوہان بانگر اور دیگر کالونیوں میں واقع اسکولوں میں اردو اساتذہ کے نہ ہونے کی رپورٹ پیش کی تو صفدر ایچ خاں نے آئندہ 10 ستمبر کو دہلی کے ڈائرکٹر آف ایجوکیشن امت کے ساتھ اس سلسلے میں میٹنگ کرنے کی یقین دہانی کرائی اور اس میٹنگ میں فیڈریشن کے وفد کو بھی شرکت کرنے کی دعوت دی۔ واضح ہو کہ 2012 میں دہلی کے ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن کی جانب سے اردو اساتذہ کو ایک سال کی مدت کے لیے معاہدہ کے طور پر تقرر کرنے کا سرکلر جاری کیا گیا تھا اور اس سرکلر کے تحت دہلی کے تمام اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری کی گئی تھی جب کہ مارچ 2013 میں ان اردو اساتذہ کے معاہدے کی مدت ختم ہو چکی ہے اور مارچ 2013 سے دہلی کے کسی بھی اسکول میں اردو اساتذہ کی تقرری نہیں کی گئی ہے۔

(راشٹریہ سہارا ۔ دہلی)

مغربی بنگال اقلیتی کمیشن کے بورڈ سے اردو غائب

کلکتہ (6 ستمبر)۔ اردو کو مغربی بنگال میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ مل چکا ہے۔ اردو کے حق کے لیے ریاست بھر میں مہم چلانے کا دعویٰ کرنے والے مغربی بنگال اقلیتی کمیشن نے اپنے ہی دفتر میں اردو کو نظر انداز کر دیا ہے۔ 19 سال سے بھوانی بھون میں قائم اقلیتی کمیشن کے دفتر کو آج مرزا غالب اسٹریٹ منتقل کیا گیا جس کا رسمی افتتاح چیئرمین احتاج علی شاہ کے ہاتھوں ہوا مگر افسوس کہ دفتر کا جو بورڈ آویزاں کیا گیا ہے اس میں اردو کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں چیئرمین احتاج علی شاہ سے رابطہ کرنے پر انھوں نے دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ اردو میں بھی ہے، جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ واضح رہے کہ 1994 سے بھوانی بھون میں واقع 19 سالہ مغربی بنگال اقلیتی کمیشن کا دفتر کھادیہ بھون میں منتقل کیا گیا جہاں اس کا رسمی افتتاح تھا مگر افسوس اس بات کا ہے کہ انھوں ہی نے اردو کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ ظاہر کر دیا کہ اردو زبان کے لیے ان کے دل میں کتنی محبت ہے۔

(اخبار مشرق ۔ کلکتہ)

اردو میڈیم اسکولوں میں اساتذہ کی کمی سے طلبہ کا تعلیمی نقصان

ممبئی (6 ستمبر)۔ کلیان میونسپل کارپوریشن کے اردو میڈیم اسکولوں میں گزشتہ تین برسوں سے 18 ٹیچروں کی کمی ہے۔ اساتذہ کی خالی اسامیاں پُر نہ کرنے سے جہاں طلبہ کا تعلیمی نقصان ہو رہا ہے وہیں شہری انتظامیہ اس تعلق سے یہ کہہ کر اپنا دامن بچانے کی کوشش کر رہا ہے کہ خالی اسامیاں پُر کرنے کا انھیں اختیار نہیں ہے۔

کے ڈی ایم سی کی حدود میں اردو میڈیم کے 12 اسکولوں میں کل 1079 طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔ اردو اسکولوں میں 54 اسامیوں کو پُر کرنے کی منظوری دو سال قبل ہی مل چکی ہے۔ ان میں سے صرف 36 اساتذہ ہی کام کر رہے ہیں، بقیہ اردو اساتذہ کی خالی 18 اسامیوں کو پُر کرنے میں ٹال مٹول کا رویہ اپنایا جا رہا ہے۔

اس تعلق سے شیوسینا کے گروپ لیڈر کیلاش شندے نے نمائندہ 'انقلاب' کو بتایا کہ وہ مسلسل دو سال سے اردو اساتذہ کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ گزشتہ اپریل میں جنرل بورڈ کی میٹنگ کے دوران اردو اساتذہ کو ڈھائی ہزار کے وظیفے پر رکھنے کی تجویز بھی منظور ہو چکی تھی لیکن اُس وقت کے کمشنر نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ شہری انتظامیہ اساتذہ کی خالی اسامیوں کو پُر کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ خالی اسامیوں کو جلد پورا نہیں کیا گیا تو وہ آنے والے جنرل بورڈ کے اجلاس کے دوران احتجاج کریں گے۔

اس سلسلے میں نمائندہ نے ایجوکیشن افسر بھیم راؤ بورانڈے سے استفسار کیا تو انھوں نے بتایا کہ انتظامیہ گزشتہ ایک سال سے پونے ٹکشک پریشد سے رابطے میں ہے اور متعدد مرتبہ اس تعلق سے خط و کتابت کر کے اردو میڈیم کے اساتذہ کے تقرر کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ایک طرف حکومتِ ریاست میں تعلیم کے معیار کو بلند کرنے کے لیے سروشکشا ابھیان زور و شور سے چلا رہی ہے تو وہیں دوسری طرف متعدد اسکولوں میں اساتذہ کی کمی کے باعث طلبہ معیاری تعلیم سے محروم ہیں۔

(اردو ایکشن ۔ بھوپال)

اردو ٹیچرس ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں تدریس کی بحالی کا مطالبہ

بیجاپور، کرناٹک۔ سرکاری اردو ٹیچرس ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، بیجاپور کو بند ہونے سے بچانے کا مطالبہ کرتے ہوئے انسٹی ٹیوٹ میں زیرِ تعلیم طلبہ نے عمائدینِ شہر کے تعاون سے ایک یادداشت ڈپٹی کمشنر کے حوالے سے ریاستی وزیر برائے تعلیم کو پیش کیا۔ یادداشت میں واضح طور پر بتایا گیا کہ گورنمنٹ اردو ٹی ٹی آئی کو اپ گریڈ کرنے کے بجائے اس قدیم اردو کے ادارے کو بند کرنے کی سازش کی گئی ہے۔ فی الحال یہاں درس و تدریس کا نظام ٹھپ پڑا ہوا ہے۔ یادداشت میں انسٹی ٹیوٹ میں بنیادی سہولیات جیسے پینے کے پانی کا انتظام، بیت الخلا، کمپیوٹر کی تربیت وغیرہ فوراً فراہم کرنے پر زور دیا گیا۔ طلبہ نے افسوس کے ساتھ بتایا کہ حکومت کے مذکورہ حکم نامے کے سبب تدریس و تربیت بالکل متاثر ہو چکی ہے اور یہاں ڈی ایڈ اردو میں تعلیم جاری رکھنے والے طلبہ گھبرا رہے ہیں، لہٰذا حکومت سے مطالبہ ہے کہ ادارہ ہٰذا کو اپ گریڈیشن سے مستثنیٰ کرتے ہوئے سرکاری اردو ٹی ٹی آئی میں حسبِ معمول درس و تدریس کو جاری رکھنے کا سازگار ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

(سالار ۔ بنگلور)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : عزمِ سفر باندھے چلیں
شاعر : قاسم رسا
ضخامت : ۲۱۸ صفحات
قیمت : ۱۵۰ روپے
ملنے کا پتا : ایچ۔ کے۔ پی۔ اردو لائبریری فورٹ ویو کالونی، کوٹیشور روڈ گوالیار (ایم۔ پی)
تبصرہ نگار : ڈاکٹر تابش مہدی
drtabishmehdi@yahoo.com

'عزمِ سفر باندھے چلیں' جناب قاسم رسا کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے۔ اس سے پہلے بھی اُن کے متعدد شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی ایک کتاب 'فکر و نظر کے زاویے' کے نام سے نثر میں بھی چھپ چکی ہے۔ جناب قاسم رسا ہمارے عہد کے ایک سرگرم و فعال سخن ور بھی ہیں اور ایک مخلص، بے لوث اور بے آمیز شخص بھی۔ ان کی شاعرانہ زندگی کی سرگرمی و فعالیت اور شخصی زندگی کے خلوص و بے آمیزی نے ان کی شاعری کو ایک قسم کی انفرادیت عطا کر دی ہے۔

جناب قاسم رسا نے اپنا یہ مجموعہ دو زبانوں میں شائع کیا ہے۔ اردو اور ہندی دونوں کو آمنے سامنے رکھا ہے۔ ہندی صرف رسم الخط کی حد تک ہے، شاعری کی زبان یا لغت میں کوئی فرق نہیں آنے دیا ہے۔

'عزمِ سفر باندھے چلیں' میں ایک حمد اور ایک نعت کے بعد اولیت نظم کو دی گئی ہے۔ غزلیں نظموں کے بعد رکھی گئی ہیں۔ کتاب کی ورق گردانی کے دوران سب سے درج ذیل اشعار نے دامنِ دل کو کھینچا، یہ وہ اشعار ہیں جو متفرقات کے طور پر شاملِ کتاب ہیں:

ہچکیوں میں کہہ گیا بیمار غم
اب تمھیں فرصت ہی فرصت ہوگی

پرندے اپنی اپنی بولیوں میں بات کرتے ہیں
انھیں منطق کسی تنقید کا خطرہ نہیں ہوتا

ہوا سے لڑتے لڑتے ایک دن وہ
ہوا کا رُخ بدلنا سیکھ لے گا

ان تینوں اشعار سے شاعر کی پختگیِ مشق کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور فکر و خیال کی بلندی و بالیدگی کا بھی اور اس بات کا بھی کہ شاعر اپنے قاری کو زندگی کا کیا رخ اور اس سلسلے میں سوچ کا کیا رویّہ دینا چاہتا ہے۔

'عزمِ سفر باندھے چلیں' کے اس طرح کے اشعار بھی شاعر کی ندرتِ خیال اور شعری اقدار سے کامل آگہی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں:

آپ نے ہوں تو ہول پڑھ لیں یانی وہی ہے کی بجھائیں
کب تک لیکن یہ تو بتاؤ ایسے گزارا ہو سکتا ہے

پنچھی جہانِ نو کی طلب میں نکل پڑے
شاید کہ موسموں کا بھرم ٹوٹنے کو ہے

یہ جان کر بھی رسا گھر کو لوٹنا ہے اُسے
وہ عمر بھر بھی زمانے کے کاروبار میں تھا

ترا خیال ہی شاید ہے روشنی کا وجود
ترے خیال سے سورج کئی اُبھر آئے

رسا جو اس بُت کافر نے پھینکا ہے حقارت سے
مری قسمت وہ چھپائے گا پتھر دیکھتے رہنا

صدیاں گزر گئی ہیں، مگر عشق کے طفیل
اب تک جڑے ہوئے ہیں ترا دی داستاں سے ہم

وہی پورب، وہی پچھم، وہی اُتر، دکھن
ٹکڑے ٹکڑے مری دھرتی کا جگر آج بھی ہے

آپ دیکھیں گے کہ ان اشعار میں فکر و خیال کی بلندی بھی ہے اور عصری حسیت بھی اور زبان و بیان کے رکھ رکھاؤ کے ساتھ شاعر کی تعمیری اور دردمندانہ سوچ کے عناصر بھی۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو کسی بھی شاعر کو زندگی سے ہم کنار کرتی ہیں۔ ایسی صورت میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جناب قاسم رسا کی شاعری دیر تک زندہ اور باقی رہنے والی شاعری ہے۔

●●●

خصوصی رعایت پر کتابوں کی فراہمی

پہلی قسط

انجمن ترقی اردو (ہند) نے فیصلہ لیا ہے کہ انجمن کا بک ڈپو اب اپنی ہی مطبوعات فروخت کیا کرے گا، لیکن ہمارے اسٹاک میں ابھی بھی بہت بڑی تعداد میں ایسی کتابیں موجود ہیں جو دوسرے اداروں اور مصنفین سے خریدی گئی تھیں، اس لیے انجمن نے ان کی سیل کے لیے کاؤنٹر بنایا ہے جس پر 70، 50 اور 40 فیصد رعایت دی جارہی ہے، ڈاک خرچ خریدار کے ذمے ہوگا۔ ان سبھی کتابوں کی فہرست کی پہلی قسط اس شمارے میں دی جارہی ہے اور باقی کتابوں کی فہرست آئندہ شمارے میں شائع کر دی جائے گی۔ (ادارہ)

70%

<u>تحقیق و تنقید</u>

آثار کاکو	عطا کاکوی	۳۵/=
آثار محروم	امریک آنند	۳۰۰/=
آنکھیں میری باقی اُن کا	رام آسرا راز	۳۲/=
اپنی محفل اپنے دوست	جگن ناتھ آزاد	۲۵۰/=
احتساب	وجیب الرحمٰن	۷۵/=
ادبی جائزے	ناشر نقوی	۷۵/=
ارمغانِ آزاد	ظہور الدین	۱۲۰/=
اظہار	اعجاز راہی	۷۰/=
اظہر شناسی	مصطفیٰ فطرت	۱۰/=
افکارِ تازہ	جلال انجم	۴۰/=
افکارِ محروم	مالک رام	۷۰/=
اٹل بہاری واجپئی: شخص، شاعر، سیاستداں	فاروق ارگلی	۱۵۰/=
اقبالیاتِ آزاد	محمد اسد اللہ وانی	۱۰۰/=
امیر اللہ شاہین: شخصیت اور فن	جلال انجم	۱۰۰/=
برج پریمی: ایک مطالعہ	پریمی رومانی	۱۵۰/=

بسمل سعیدی: شخص و شاعر	گوپال متل	۷۵/=
بہار و خزاں	حمیدہ سلطان احمد	۱۰۰/=
تعمیرِ فکر	جگن ناتھ آزاد	۲۵۰/=
تقابل و تجزیہ	قدیر امتیاز	۱۵/=
تلوک چند محروم	جگن ناتھ آزاد	۱۰۰/=
تلوک چند محروم: شخصیت اور فن	زینت اللہ جاوید	۱۵۰/=
تلوک چند محروم کی شاعری اور جد و جہد آزادی میں حصہ	درخشاں تاجور	۱۰۰/=
تنقیدِ مشرق	عبد المغنی	۳۷/=
جدید اردو ٹائپ رائٹنگ	سید راشد حسین	۶۰/=
جگر مرادآبادی: ایک مطالعہ	ضامن علی خاں	۱۰۰/=
جگن ناتھ آزاد بطور نثر نگار	عاصمہ عزیز	۲۵۰/=
جگن ناتھ آزاد: اردو ادب کی آبرو	محمد توفیق خاں	۲۰۰/=
جگن ناتھ آزاد اور اس کی شاعری	حمیدہ سلطان احمد	۶۰/=
جگن ناتھ آزاد: ایک مستقل ادارہ	نذیر فتح پوری	۱۵۰/=
جگن ناتھ آزاد بحیثیت شاعر	محمد جمشید رضوانی	۲۰۰/=
جگن ناتھ آزاد بطور اقبال شناس	یاسمین کوثر	۲۰۰/=
جمیل الدین عالی: فن اور شخصیت	ایم حبیب خاں	۱۳۰/=
خطوط مالک رام	تبسم جہاں	۲۲۵/=
ڈاکٹر عندلیب شادانی: حیات اور کارنامے	کلثوم ابو البشر	۱۳۰/=
رالف رسل جو ہندو یا ہندو	ارجمند آرا	۲۹۵/=
رپورٹ تیسری انڈین [illegible] کانگریس	اتر پردیش اردو اکادمی	۳۳/=
رموزِ فکر و فن	زاہدہ زیدی	۱۱۵/=
روح الحکایت	ہادی نقشبندی	۹۰/=
روشنی کے مینار: سید حامد	خلیق انجم/نثار احمد فاروقی/ابو الفیض سحر	۱۰۰/=
ساحر ہوشیارپوری: ایک مطالعہ	خورشید عالم	۱۰۰/=
سلام و پیام (خطوط جگن ناتھ آزاد کے نام)	امین بنجارا	۴۰۰/=
شفیق جون پوری: شخصیت اور فن	ایس ایم عباس	۱۸/=
صاعقہ طور	تاج پیامی	۴۵/=

صبح	مبارک کاپڑی	۵۰/=
غذائی مسئلہ کا حل	اے جگت سنگھ	۱۸/=
فسانۂ عجائب کا بنیادی متن	محمود الٰہی	۲۵/=
فکر و فن	جگن ناتھ آزاد	۲۵۰/=
کالی داس گپتا رضا: تحقیق و تالیف اور شعر کی روشنی میں	ظفر ادیب	۳۵/=
کس دیس بستیاں ہیں	جگن ناتھ آزاد	۲۰۰/=
گرد و پیش	سید محمد مرتضیٰ	۲۵/=
لذتِ آشنائی	زاہدہ زیدی	۲۰۰/=
لفظ و پیکر	محمد ابو نصر	۲۵/=
لکھنؤ اور سرشار کی دنیا	مسعود الحق	۱۰۰/=
لل دید	جیالال گیرو	۴۰/=
مباحث	برج پریمی	۱۸۰/=
محمد عثمان عارف: شخصیت و فن	عمر جہاں	۱۰۰/=
محمد علی طیب: حیات اور تصانیف	عبد الحی	۸۰/=
مولانا احسن مارہروی: آثار و افکار	صابر حسین خاں	۱۵۰/=
نذرِ آزاد	امین بنجارا	۲۰۰/=
نذرِ رفعت سروش	شبانہ نذیر	۲۵۰/=
نشاطِ خاطر	سید محمد حسنین	۱۶/=
نقش و رنگ	شبیر رسول	۱۵۰/=
نکات	ستنام سنگھ خمار	۵۰/=
نوائے کین ہندی	بہ تصحیح و تحریر سید سلیمان حسین	۱۲/=
ودیا ساگر آنند: انسان دوست شاعر و ادیب	یونس اگاسکر	۵۰۰/=
وہائٹ ہاؤس کے آس پاس	انیس چشتی	۱۳۰/=
ہمارے کنور صاحب	کے ایل نارنگ ساقی	۵۰/=
ہندوستان میں لائبریری تحریک کا آغاز و ارتقا	رام شوبھت پرساد سنگھ	۱۵۰/=
یادگارِ سلیمان	عبد القوی دسنوی	۲۵/=
یادگاری خطبات	نثار احمد فاروقی	۱۵/=

اقبال مائنڈ اینڈ آرٹ (انگریزی)	جگن ناتھ آزاد	۳۰۰/=
مرقع اقبال	جگن ناتھ آزاد	۲۵۰/=

شاعری

آب	منظور ہاشمی	۴۰/=
آب نیساں	فرید پربتی	۱۵۰/=
آسماں محراب	شمس الرحمن فاروقی	۲۰۱/=
آشوب غم	خالد کفایت	۳۰/=
ابر سخی	قادر صدیقی	۲۰/=
ارض بے پیغمبر	مظہر مہدی	۹۰/=
ازبہ	طراج حیرت	۳۰/=
اسرار فن	ظفر مراد آبادی	۱۰۰/=
اعتراف جنوں	شاکر علی	۱۰۰/=
افکار گریزاں	حقیر آستانی	۵۰/=
انبساط کرب	سید محمد نجم الدین	۳۵/=
انتخاب کلام جرأت	ایم حبیب خاں	۸/=
شرح انتخاب منظومات	محمد سراج الحق	۲۰/=
انسول	ونیک قمر	۴۰/=
اوتار	ونیک قمر	۴۰/=
اوج ثریا	اوج ادیبی	۲۰/=
باڑ کے پر گھاس اور چنگاریاں	ایاز احمد قریشی	۴۰/=
بچوں کی دنیا	تلوک چند محروم	۲۵/=
برف کی آگ	جعفر رضا	۲۰۰/=
بساط نظر	رزاق حمید	۴۰/=
بساط نو	فضل الرحمٰن	۴۰/=
بکھرے پھول	مرتضیٰ فہیم	۸/=
بولتی کنکویاں	سہیل احمد زیدی	۲۵/=
بجھی رتوں کا منظر نامہ	فیاض رفعت	۱۰۰/=
پچھلے پہر کا خواب	راج نجیتی	۲۰/=
پدمنی	شرر فتح پوری	۳۰/=
پردیس ہمارا دیس	انجم عباسی	۴۰/=
پرواز رشک	سکھدیو شرما رشک	۲۰/=
پس عکس خیال	ارشد صدیقی	۱۰۰/=
پنچھی رخصت ہوئے	جاوید ندیم	۴۰/=
ترپتی لہریں	شمشیر سنگھ شیر	۱۲۰/=
جام انا	رحمن جامی	۵۰/=
جانوروں کا مشاعرہ	خالد رحیم	۵۰/=
جذبوں کی زبان	شہباز ندیم ضیائی	۲۵/=
جستجو	جگن ناتھ آزاد	۲۰۰/=
جے شری رام	انور ندیم	۸۰/=
چاند چہرہ ستارہ آنکھیں	عبید اللہ علیم	۲۵/=
چراغ تہ داماں	بیگم مختار فاطمہ زیدی	۱۰۰/=
چراغ نیم شب	حنیف کیفی	۴۰/=
چھلنی چھلنی سائبان	تنہا تماپوری	۴۰/=
حدیث دل	سید نور الدین انور	۵۰/=
حرف تمنا	نازش سہسرامی	۲۰/=
حرف تنہا	رمیش تنہا	۱۰۰/=
حرف حرف	شرر فتح پوری	۴۴/=
حرف شوق	محمد منظور احمد	۱۰/=
حرف سبب	رتی کانت راہی	۲۵/=
حرف نم دیدہ	محمد علی اثر	۴۰/=
حرف وصدا	فراز سلطان پوری	۱۰۰/=
حسن وعشق	عالم لکھنوی	۲۵/=
حقیقت منتظر	رام پرکاش راہی	۸۰/=

خارزار	خار دہلوی	۴۰/=
خواب وخیال	جگدیش نور	۲۰۰/=
خوں رنگ	پرتپال سنگھ بیتاب	۱۲۵/=
خون جگر	دھرم پال عاقل	۳۰/=
داستاں در داستاں	مست احسنی گنوری	۳۰/=
دریا رواں رہے	حیات لکھنوی	۵۰/=
دریچے	رام پرکاش راہی	۱۲۰/=
دست زلیخا	سلمیٰ جاوید	۱۲/=
دست ہنر سا	محمد یعقوب عامر	۲۵/=
دن رات	نسیم صبا	۵۰/=
دوری دروازے	منیر الدین احمد	۱۰۰/=
دھنک احساس کی	راج نرائن راز	۲۵/=
دیوان عرش	ایم حبیب خاں	۳۰/=
دیوان مصحفی	خدا بخش لائبریری	۱۵۰/=
دیوان مصحفی	خدا بخش لائبریری	۲۰۰/=
راز و نیاز	اودے سرن ارمان ادیبی	۵/=
راز و نیاز	راز نائل پوری	۲۵/=
رباعیات محروم	تلوک چند محروم	۱۵۰/=
رت جگے	رحمت امروہوی	۳۰/=
رسائی	ہاشم لوکانوی	۲۰/=
رقص خیال	محمد یعقوب عامر	۲۵/=
رنگ ترنگ	کرشن مراری	۵۰/=
روشنی اے روشنی	نور تقی نور	۳۰/=
روشنی اے روشنی	نامی انصاری	۸۰/=
روشنی کے پھول	انور مینائی	۱۵/=
روپ کی دوباولی	روپ بھاردواج	۶۰/=
رہبر اعظم	راز مالک پوری	۳۶/=
ریزہ ریزہ اکائیاں	مشتاق علی شاہد	۱۵/=
ریگ رواں	صادق نسیم	۶۰/=
زخم کوئی ہو	سریندر پنڈت سوز	۲۸/=
زخموں کے سلسلے	عبد الصمد تپش	۲۸/=
زخموں کے کئی نام	سدیپ بینرجی	۹۰/=
زخم ومرہم	امیر چند بہار	۷۵/=
زیست کی شاعری	ویریندر پال سنگھ وزیر	۹۰/=
ساز مشرق (اول)	حسن الدین احمد	۴۰/=
ساز مشرق (دوم)	حسن الدین احمد	۴۰/=
ساز وآواز	ارمان ادیبی	۸/=
سب خواب	نصرت گوالیاری	۱۰۰/=
سبزۂ گفتار	محمد یعقوب عامر	۲۰/=
سبزہ وتازہ نہالوں کے انبوہ میں	بدیع الزماں خاور	۴۰/=
ستاروں سے ذروں تک	جگن ناتھ آزاد	۷۰/=
سحر سرمد	سالک رام بھگوت سرمد	۳۰/=
سراب آرزو	سلطان انجم	۴۰/=
سر کہسار	زبیر فاروقی	۳۰/=
سرمایۂ احساس	صابر آروی	۷۰/=
سفر آمادہ	مصطفیٰ شہاب	۷۵/=
سفرنامہ	انور ندیم	۲۰/=
سنہری آنچ	واجد سحری	۲۰/=
سنہری اداسیاں	شاہد ماہلی	۱۰۰/=
شاخ زعفران	حامدی کاشمیری	۸۰/=
شاخ گل	کالی داس گپتا رضا	۱۵/=
شام وسحر	سحر اکبر آبادی	۱۰۰/=
شب آہنگ	مہتاب حیدر نقوی	۵۰/=

شعر پرشوش	وہاب حیدر	۳۰/=
شعلۂ احساس	کرشن مراری	۲۶/=
شعلۂ جاں	زاہدہ زیدی	۱۳۰/=
شعلۂ خس پوش	محمد یعقوب عامر	۲۰/=
شعلۂ گل	سردار الہام	۳۰/=
شفق زار	اوم کرشن راحت	۱۵/=
شہاب ثاقب	امت رائے شرما	۵۰/=
شہر سخن	مناظر حسین اظہر	۱۵۰/=
شیرازہ	سید حامد	۵۰/=
صباحت زہرا	صبیحہ نسرین	۷۰/=
صحرا کی دھوپ	ساحر شیوی	۳۰/=
صدا ابھرتی ہے	محمد رئیس علوی	۴۰/=
ظ ظ	شہباز امروہوی	۲۵/=
طلوع سحر	ارشد صدیقی	۱۰۰/=
عرفات	عارف سیمابی	۵۰/=
عکس در عکس	خالد رحیم	۳۰/=
عکس در عکس	شاہد ساگری	۴۰/=
عنوانات درخشاں	ارشد صدیقی	۱۰۰/=
غبار صحرا	وقار ناصری	۲۵/=
غزال رعنا	قلی قطب شاہ	۲۵/=
غزلیں دوہے گیت	جمیل الدین عالی	۶۰/=
غمزہ بہ غمزہ	آر پی شوخ	۵۰/=
فرد خیال	وقار صدیقی	۸۰/=
فکر نو	واحد پریمی	۲۰/=
فکر و نظر	پیارے لال رونق	۶۰/=
کاغذی تحکم	علیم جہاں گیر	۲۰/=
کتاب صحرا	حنیف ترین	۱۰۰/=

رابطہ کریں: **انجمن ترقی اردو (ہند)**
اردو گھر، 212- راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
فون نمبر 23237210, 23236299

بقیہ: اردو کے جاں نثار جے بہادر سنگھ

(صفحہ ۸ سے آگے)

بہت رنجیدہ تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ تحریک آزادی میں اردو کے ادیبوں اور شاعروں نے اپنی تحریروں کے ذریعے اہم رول ادا کیا تھا۔ اردو کے ساتھ ہو رہے متعصبانہ رویے کے خلاف اور اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کے مطالبے کو لے کر خراب صحت کے باوجود بھی ڈاکٹروں کی صلاح کو درکنار کرکے 1967 میں لکھنؤ ودھان سبھا کے سامنے بھوک ہڑتال پر بیٹھ گئے جو ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ آخر وہیں 9 اگست 1967 کو اچانک طبیعت خراب ہوئی اور ڈاکٹر کے آتے آتے ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ زندگی بھر جدوجہد کرنے والا یہ انقلابی اس دنیا کو الوداع کہہ کر چلا گیا۔ جے بہادر سنگھ کو شہید اردو کے خطاب سے نوازا گیا۔

یہ عظیم شخصیت جس نے اپنی پوری زندگی حق وانصاف کے لیے وقف کر رکھی تھی اس کے ساتھ حکومت اور انتظامیہ نے کیا سلوک کیا؟ ان کے گاؤں کے لوگوں نے مڈل اسکول کا نام ان کے نام پر کرنے کا مطالبہ کیا لیکن وہ پورا نہیں ہوا۔ اسی طرح جے بہادر سنگھ کی تصویر 2005 سے مئو کے ضلع مجسٹریٹ آفس میں رونمائی اور آویزاں کے لیے انتظار کر رہی ہے لیکن کسی کو اس عظیم انسان کی یاد نہیں آئی۔ جب ایسی شخصیتوں کے ساتھ ایسا برتاؤ ہے تو اس سماج کا کیا ہوگا؟ ○○

اردو کے جاں نثار بے بہادر سنگھ

پروین کمار سنگھ — ہندی سے ترجمہ: محمد عارف خاں

اردو کے مشہور جاں نثار جناب بے بہادر سنگھ نے اتر پردیش میں اردو کے ساتھ ہو رہے متعصبانہ رویے کے خلاف اور اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کے مطالبے کو لے کر اپنی خراب صحت کے باوجود 1967 میں لکھنؤ ودھان سبھا کے سامنے بھوک ہڑتال کی جو بالآخر اُن کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔ ایسے محبِ اردو جناب بے بہادر سنگھ پر پروین کمار سنگھ کی یہ تحریر ہمیں کومریڈ ہری مندر پانڈے (اعظم گڑھ) نے اشاعت کے لیے بھیجی ہے جو خود بھی اردو کے بڑے شیدائی ہیں۔ اس مضمون کے ساتھ ہم کومریڈ ہری مندر پانڈے کی اُس وقت کی ایک تصویر شائع کر رہے ہیں جب وہ 2 فروری 1993 کو اعظم گڑھ میں بڑی ریل لائن موومنٹ میں پولیس کی بربریت کا شکار ہو کر اسپتال میں زیرِ علاج تھے تو ممتاز ترقی پسند شاعر جناب کیفی اعظمی ان کی عیادت کے لیے اسپتال گئے اور اُن کی مزاج پرسی کی۔ (ادارہ)



اردو کے ممتاز ترقی پسند شاعر جناب کیفی اعظمی اسپتال میں زیرِ علاج کومریڈ ہری مندر پانڈے کی عیادت کرتے ہوئے

محبِ اردو جناب بے بہادر سنگھ کی ولادت جنوری 1909 میں اعظم گڑھ کے موضع سورج پور کے ایک زمیندار گھرانے میں ہوئی تھی۔ ان کے والدِ محترم نرسنگھ نارائن سنگھ زمیندار ہونے کے باوجود منکسرالمزاج شخصیت کے حامل تھے۔ بے بہادر سنگھ تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ اُن کی ابتدائی تعلیم اُن کے آبائی گاؤں میں ہی ہوئی۔ بچپن سے ہی ذہین بے بہادر سنگھ نے آگے کی تعلیم کے لیے بنارس ہندو یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں یہ مشہور سماجی مصلح مدن موہن مالویہ کے ساتھ ذات پات کی برائی کو ختم کرنے کے لیے سماجی کاموں میں منہمک ہو گئے۔ وہ اپنے ملنسار رویے کی وجہ سے طلبہ میں بھی بہت مقبول تھے۔

1930 کی دہائی میں آزادی کی تحریک اپنے عروج پر تھی۔ مشہور مجاہدِ آزادی شہید بھگت سنگھ کی شہادت نے ملک کے نوجوانوں میں جوش و خروش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا، جس کا اثر بے بہادر سنگھ پر بھی پڑا۔ اتر پردیش میں، الٰہ آباد تحریکِ آزادی کا اہم مرکز تھا۔ ایک طرف نرم مزاج کے کانگریسی تھے تو دوسری طرف گرم دل کے مجاہدِ آزادی۔ اسی دوران چندر شیکھر آزاد نے الفریڈ پارک میں پولیس سے مقابلہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر لیا۔ ان دو مجاہدینِ آزادی کی شہادت نے بے بہادر سنگھ کے دل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ انھوں نے الٰہ آباد یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور اب ملک کے لیے کچھ کر گزرنے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے تہیہ کیا کہ ملک کو انگریزوں سے نجات دلا کر ہی دم لیں گے۔

بے بہادر سنگھ کو الٰہ آباد آنے پر انقلابی تنظیم ایچ۔ ایس۔ آر۔ اے (ہندوستانی سوشلسٹ ریپبلکن آرمی) کے نئے لیڈر جھارکھنڈے رائے کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ اُن کے پڑوسی گاؤں ابلا کے ہیں۔ 1936 میں بے بہادر سنگھ نے حلف نامے پر اپنے خون سے دستخط کر کے باقاعدہ اس تنظیم کے رکن بن گئے۔ اب بے بہادر سنگھ انقلابی بے بہادر سنگھ بن چکے تھے اور پورے جوش و ہمت سے تنظیم کے کام میں لگ گئے۔ لیکن تنظیم چلانے اور اسلحوں کے لیے پیسوں کی بہت ضرورت تھی، اس لیے، سرکاری خزانے کو لوٹنے کا پروگرام بنا۔ بے بہادر سنگھ کی قیادت میں ٹرین سے جا رہے سرکاری خزانے کو پری ڈیہہ اور ڈل پور ریلوے اسٹیشنوں کے بیچ مقررہ جگہ پر ٹرین کو روک کر لوٹ لیا گیا۔ اس مہم میں ان کے ساتھ جھارکھنڈے رائے (جو بعد میں وزیر اور ایم پی بنے)، مکتی ناتھ اپادھیائے، کرشن دیو رائے اور ضامن علی وغیرہ تھے۔ اس واقعے سے برٹش حکومت سکتے میں آ گئی کیوں کہ یہ کاکوری کانڈ جیسا ہی واقعہ تھا۔ پولیس بھی طرموں کو گرفتار کرنے لگی لیکن بے بہادر سنگھ گرفت سے باہر تھے، اس لیے، انگریزوں نے بے بہادر سنگھ کے آبائی مکان کو ہی پھونک دیا۔ اس کامیابی سے حوصلہ پا کر بے بہادر سنگھ نے وندھیاچل کے پاس جنگل میں ٹرین سے جا رہے سرکاری خزانے کو لوٹنے کا پلان بنایا، جس کے لیے وہ وارانسی سے بہ ذریعۂ ٹرین الٰہ آباد جا رہے تھے کہ پولیس کو کہیں سے اس کا سراغ لگ گیا اور وہ رام باغ میں گرفتار کر لیے گئے۔ اس کا مقدمہ غازی پوری ضلع عدالت میں چلا اور بے بہادر سنگھ کو ساڑھے نو برس کی سخت قید کی سزا ہوئی۔

بے بہادر سنگھ کے جیل میں رہنے کے باوجود بھی برٹش حکومت کو یہ اندیشہ تھا کہ وہ کبھی بھی گڑبڑی پھیلا سکتے ہیں، اس لیے، انھیں فتح گڑھ سنٹرل جیل بھیج دیا گیا۔ یہیں مشہور کمیونسٹ لیڈر ایس جی سردیسائی بھی قید تھے۔ سردیسائی کی صحبت میں بے بہادر سنگھ مارکس واد سے متاثر ہوئے اور مارکس وادی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگے۔ اب بے بہادر سنگھ انقلابی کے ساتھ ساتھ کمیونسٹ بھی بن گئے۔ انھوں نے کسانوں اور مزدوروں کو استحصال سے نجات دلانے کے لیے تحریک چھیڑ دی۔

اپریل 1946 میں جیل سے چھوٹنے کے بعد بے بہادر سنگھ کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے اور مشرقی اتر پردیش کو مرکز بنا کر کسانوں اور مزدوروں کو متحد کر کے ہر طرح کی بیگاری، استحصال، بے دخلی اور نذرانے کے خلاف تحریک شروع کر دی۔ انھوں نے سب سے پہلے اپنے خاندان کے ذریعے عام لوگوں سے لیے جانے والے نذرانے کو بند کرایا، جو پورے خطے میں موضوعِ بحث بن گیا۔ اُن کی جدوجہد سے زمین داروں میں غصہ پھیل گیا کیوں کہ بے بہادر سنگھ خود زمیندار کے لڑکے تھے۔

بے بہادر سنگھ اپنی اس طرح کی جدوجہد کی بدولت بہت جلد پورے علاقے میں مقبول ہو گئے اور کسانوں و مزدوروں کے مسیحا کے روپ میں جانے جانے لگے۔

آزادی کے بعد بھی بے بہادر سنگھ کا مظلوموں اور استحصال زدہ عوام کے لیے جدوجہد کرنا اُس وقت کے وزیرِ اعلا گووند بلبھ پنت کو راس نہیں آیا اور بے بہادر سنگھ کو بھارت تحفظ قانون کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ یہ کتنی تعجب خیز بات ہے کہ جہاں بے بہادر سنگھ تحریکِ آزادی کے دوران جیل گئے وہیں آزادی کے بعد بھی جیل سے ناطہ نہیں ٹوٹا اور متعدد بار جیل گئے۔

بے بہادر سنگھ 1958 میں بھارتیہ کمیونسٹ پارٹی سے ایم ایل سی منتخب کیے گئے۔ بعد میں 1962 کے ضمنی انتخاب میں گھوسی لوک سبھا حلقے سے ایم پی چنے گئے اور تاحیات ایم پی رہے۔

بے بہادر سنگھ ہندی سمیت بھی ہندستانی زبانوں کے حامی تھے۔ وہ اردو زبان کے ساتھ ہو رہے بھید بھاؤ سے

(بقیہ صفحہ ۲ پر)

ادارے کا مضمون نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے ـــ (ادارہ)

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: ثمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲–راؤز ایونیو، نئی دہلی–۱۱۰۰۰۲
قیمت فی شمارہ: دو روپے، سالانہ: ۵۰ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299, Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@atuh.org
http://www.atuh.org